۸ر اپریل ۱۹۷۱ء

ہفتہ وار

ہماری زبان

جلد ۳۰ | ایڈیٹر آل احمد سرور | شمارہ ۱۴

اس شمارے میں

اداریہ

بعض ریاستوں میں اردو کو بھی

جلد سرکاری زبان تسلیم کیا جائے

بڑی خوشی کی بات ہے کہ ابکے عام چناؤ میں ملک نے لوک سبھا میں نئی کانگریس کو دو تہائی اکثریت سے منتخب کیا ہے شریمتی اندرا گاندھی کی شاندار اور تاریخی کامیابی اس بات کا ثبوت ہے کہ ملک ایک مضبوط مرکز کے ساتھ پرامن تبدیلی چاہتا ہے اور ان اقتصادی مشکلات کو جلد سے جلد دور کرنا چاہتا ہے جن کی وجہ سے ملک کی ترقی میں کاوٹ پڑ رہی ہے اور ملک کے وسائل عوام کے فائدے کے بجائے چند افراد کے ذاتی مفاد کے لئے کام آرہے ہیں۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ ملک کا مجموعی رجحان اب دائیں طرف نہیں رہا۔ دائیں بازو کو شکست فاش ہوئی ہے اور اگرچہ انتہا پسند جماعتوں کو بھی ملک نے زیادہ موقع نہیں دیا۔ مگر مخالف جماعتوں میں جن پارٹیوں کی تعداد زیادہ ہے ان میں کمیونسٹ (مارکسٹ) کمیونسٹ اور ڈی۔ ایم۔ کے قابل لحاظ تعداد میں ہیں۔ اس کا صاف اور صریح نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ پوری لوک سبھا کا رخ اب بائیں طرف ہے۔ یعنی اب غریبی کو دور کرنے، سماجی بے انصافیوں کو ختم کرنے، روزگار کے مواقع فراہم کرنے، قیمتوں کو مستحکم کرنے، اجارہ داری کو روکنے، بیرونی طاقتوں کے اقتصادی اثرات کو زائل کرنے کا حکومت کو پورا اختیار ہے اور اس کام میں چند دائیں بازو کی چھوٹی چھوٹی جماعتوں کو چھوڑ کر پوری لوک سبھا حکومت کے ساتھ ہوگی، ایک مضبوط مرکز اور بائیں طرف رجحان سے بجا طور پر یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ اقتصادی بدحالی کو روکنے پیداوار بڑھانے اور غریبی کو دور کرنے کے علاوہ لسانی اقلیتوں کی بے اطمینانی اور ان کی جائز شکایات کی طرف بھی فوری توجہ کرے گا۔ نئی کانگریس نے اپنے انتخابی منشور میں اس بات کا اعتراف کیا تھا کہ اردو کے ساتھ انصاف نہیں ہوا ہے اور یہ یقین دلایا تھا کہ اردو دوستوں کی جائز شکایات کو دور کیا جائے گا۔ دونوں کمیونسٹ پارٹیوں اور ڈی۔ ایم۔ کے کا رویہ لسانی اقلیتوں کے متعلق شروع سے ہمدردانہ ہے اور یہ پارٹیاں بھی اردو کے ساتھ انصاف کے معاملے میں واضح اعلانات کر چکی ہیں۔ اس لئے اب مرکز کو اردو کے سلسلے میں مناسب اقدامات میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔

یہ صحیح ہے کہ تعلیم ریاستی حکومت کے تحت ہے مگر ہمارے دستور سازوں نے پہلے ہی دیکھ لیا تھا کہ اکثریت بعض اوقات لسانی اقلیتوں کے حقوق کو نظر انداز کر دیتی ہے اسی لئے دستور کی دفعہ ۳۴۷ میں صدر کو یہ اختیار سپرد کیا گیا کہ جہاں جہاں وہ

اشاعت کی تاریخیں
۱، ۸، ۱۵، ۲۲

انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ

فی کاپی: ۱۵ پیسے
قیمت سالانہ: ۵ روپے

ضروری سمجھے کسی لسانی اقلیت کی زبان کو بعض سرکاری اغراض کے لئے تسلیم کرے۔ اس حق کے استعمال کی ضرورت اس صورت میں نہ پڑتی جب ریاستی حکومتیں اردو کے ساتھ انصاف کرتیں، مگر آزادی کے بعد سے ہم برابر دیکھ رہے ہیں کہ اردو کے ساتھ بے انصافی اور زیادتی جاری ہے۔ جنوبی ہند میں حکومتوں کا رویہ اردو کے خلاف نہیں مگر دفتری نظام کی خرابی کی وجہ سے دشواریاں اور رکاوٹیں اکثر سامنے آتی ہیں، مگر شمالی ہند میں جو ہندی کی ریاستیں کہلاتی ہیں، ان میں اردو کے ساتھ جو مسلسل بے انصافی ہوتی رہی ہے، اس سے ہر منصف مزاج محب وطن واقف ہے۔ اس معاملے میں اتر پردیش کی حکومت تو سب پر بازی لے گئی ہے۔ یہاں اردو بولنے والوں کی تعداد، دوسری ریاستوں کے اردو بولنے والوں سے کہیں زیادہ ہے، مگر یہیں سب سے زیادہ تغافل، تساہل، تجاہل، بلکہ ظلم اور زبردستی ہوئی ہے۔ انجمن ترقی اردو ہند نے پہلے ہی یہ محسوس کر لیا تھا کہ ریاستی حکومتوں سے اردو کے ساتھ انصاف کی توقع کرنا فضول ہے اور صدر کو دفعہ ۳۴۷ کے تحت اپنا اختیار استعمال کرنا ہوگا، اس لئے ۱۹۵۴ء میں انجمن کا وفد ڈاکٹر ذاکر حسین کی قیادت میں ڈاکٹر راجندر پرشاد سے ملا تھا جو اس وقت صدر جمہوریہ تھے، صدر نے ہمدردی کا اظہار تو کیا مگر اس کا نتیجہ کچھ نہیں نکلا۔ جب ریاستوں کی نئی تنظیم ہوئی تو لسانی اقلیتوں کا مسئلہ پھر سامنے آیا اور انجمن کے ایک وفد نے پارلیمنٹ کے ممبران سے ملاقات کی اور وزیر اعظم سے ملا تاکہ تمام لسانی اقلیتوں کے ساتھ انصاف کیا جائے۔ اس کا اتنا نتیجہ تو نکلا کہ دستور کی دفعہ ۳۵۰ الف کے ذریعہ سے ریاستی حکومتوں کو ابتدائی تعلیم لسانی اقلیتوں کو ان کی مادری زبان میں دینے کی ہدایت کی گئی اور ۳۵۰ ب کے ذریعہ سے ایک لسانی اقلیتوں کا کمشنر مقرر کیا گیا۔ کمشنر کی اب تک دس رپورٹیں سامنے آچکی ہیں اور ان کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ نہ صرف ریاستی حکومتیں کمشنر کی اکثر سفارشات پر توجہ نہیں کرتیں، بلکہ اسے پورے اعداد و شمار بھی مہیا نہیں کرتیں۔ لسانی اقلیتوں کو ان کی ابتدائی زبان میں تعلیم دینے کی رفتار بھی کسی طرح قابل اطمینان نہیں کہی جاسکتی، اگر لسانی اقلیتوں کی اپنی زبان کے ذریعہ سے ابتدائی تعلیم پانے والوں کی ترقی کی رفتار، عام ابتدائی تعلیم کی ترقی کی رفتار کے مطابق ہوتی تو ریاستی حکومتوں کی کوشش، تسلیم کی جاسکتی تھی مگر یہ کوشش دراصل برائے نام ہے۔ حال میں مردم شماری کے سلسلے میں بھی نیچے کے عملے نے کمشنر کی ہدایات پر پوری طرح عمل نہیں کیا اور اردو زبان کے سلسلے میں کوتاہی بلکہ دھاندلی تک کی خاصی بڑی تعداد میں شکایات ہیں۔ ان حالات میں مرکزی حکومت کے لئے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ انجمن کے اصلی مطالبے کو جلد سے جلد منظور کرے یعنی اتر پردیش، بہار اور دہلی میں اردو کو سرکاری طور پر تسلیم کیا جائے۔ ۱۹۷۱ء کے بعد یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ اتر پردیش، بہار اور دہلی کے علاوہ آندھرا، مہاراشٹر اور میسور میں بھی، اردو دوستوں کی آبادی اتنی ہے کہ یہاں بھی اردو کو سرکاری حیثیت سے تسلیم کرنا چاہئے۔ اردو کو سرکاری حیثیت سے تسلیم کرنے کا مطالبہ نہ علیحدگی پسندی ہے نہ ریاستی یا علاقائی زبان کی اہمیت کو کسی طرح کم کرنے کے مترادف ہے۔ یہ ایک جمہوری حق ہے جو اردو کو ملنا چاہئے تاکہ اردو دوست اپنے پورے قد کو پہنچ سکیں، اپنی تمام صلاحیتوں سے کام لے سکیں اور اپنی ساری تہذیبی میراث کی مدد سے ترقی کر سکیں اور پھر اس صلاحیت کو ملک کی ترقی اور اس کی یکجہتی کے لئے برت سکیں۔ اردو کو سرکاری زبان تسلیم کرنے سے اردو دوست ملک کے لئے اور زیادہ مفید ہو سکیں گے اور قومی یکجہتی کو اور فروغ ہوگا، اب مرکزی حکومت کو صدر سے جلد سے جلد مناسب کارروائی کی سفارش کرنی چاہئے۔ انجمن کا وفد اس سلسلے میں جلد ہی متعلقہ حضرات سے ملے گا لیکن اس موقع پر سبھی اردو دوستوں کو بھی پرزور تائید کرنی چاہئے۔

بزم شہود کا مستحسن اقدام

اردو کے جواں فکر شاعر جناب وکیل اختر مرحوم کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے ادبی انجمن "بزم شہود" عنقریب "شام اختر" منانے جا رہی ہے۔ اس خاص موقعہ پر مشاعرہ بھی ہوگا اور سوینیر بھی شائع کیا جائے گا جس میں مرحوم سے متعلق نثری و شعری تخلیقات شامل ہوں گی۔ اہل قلم حضرات سے گزارش ہے کہ وہ اپنی تخلیقات سے نواز کر شکریہ کا موقع دیں۔

• بہ نام سحر سکریٹری

جدید اردو قواعد کی اشاعت

جدید اردو قواعد مولفہ مولوی غلام رسول جو اردو میں اپنی نوعیت کی پہلی جامع قواعد ہے، شائع ہو چکی ہے یہ کتاب کالجوں کے لئے مفید ہے اس کی ضخامت (۲۰۰ ص) سے زائد اور قیمت دو روپے پچاس پیسے ہے ملنے کا پتہ نیشنل بک ڈپو مچھلی کمان، حیدرآباد (اے۔ پی)۔

• غلام رسول

▲

ہماری زبان

سے خط و کتابت کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

ڈاکٹر ابو محمد سحر

اپریل فول یا جعل

ہماری زبان مورخہ ۸ر جنوری ۱۹۶۹ء میں راقم الحروف کا ایک مضمون "دیوان غالب اپریل فول اور اہل تحقیق" شائع ہوا تھا۔ اس میں دیوان غالب میں اس غزل کے شامل ہو جانے کے معاملہ کا تفصیل سے جائزہ لیا گیا تھا جو بھوپال میں اپریل فول کے طور پر شائع ہوئی تھی۔ مضمون میں ان محرکات و مقاصد کی وضاحت بھی کر دی گئی تھی جو اس کی تحریر کا باعث ہوئے تھے۔ شاید میرا یہ اندازہ غلط نہیں کہ عام طور پر اس مضمون کو صحیح روشنی میں دیکھا گیا لیکن بعض حلقوں میں اسے مشہور ماہر غالبیات جناب مالک رام صاحب کی بے جا نکتہ چینی پر محمول کیا گیا۔ اس صورت حال پر مجھے تعجب تو نہیں لیکن افسوس ضرور ہے۔ میں نے اپنے کئی اور مضامین میں بعض ممتاز اور بزرگ ماہرین غالبیات کے آرائے گرامی اور طریق تحقیق سے اختلاف کیا ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ میں ان کی عظمت کا معترف نہیں ہوں یا میرے دل میں ان کا احترام نہیں ہے لیکن عظمت و احترام سے اگر یہ مراد ہے کہ تحقیقی مسائل سے کھل کر بحث نہ کی جائے یا نئے زاویے اور حقائق پیش نہ کئے جائیں تو یہ تحقیق و تنقید سے دستبردار ہوئے بغیر ممکن نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ جس طرح میں نے ان محققین و ناقدین کے خیالات سے اختلاف کیا ہے اسی طرح دوسروں کو بھی میرے خیالات سے اختلاف کرنے کا پورا پورا حق حاصل ہے۔

میرے متذکرہ بالا مضمون کے جواب میں جناب نادم سیتاپوری کا ایک طویل مضمون "اردو ادب" کے غالب نمبر (۱۹۶۹ء) میں شائع ہو چکا ہے۔ ادھر ضمناً اس مضمون کا ایک جملہ پھر "ہماری زبان" میں زیر بحث آ گیا، چنانچہ ۱۵ر دسمبر ۱۹۷۰ء کے پرچے میں جناب نثار احمد صاحب فاروقی کا بھی ایک مراسلہ شائع ہوا ہے۔ سرچ اور ریسرچ کا فرق واضح کرتے ہوئے انھوں نے لکھا ہے:

"مالک رام یا مولانا عرشی نے ایک ایسی غزل جو اصلاً غالب کی نہیں تھی اپنے اپنے مرتبہ نسخوں میں شامل کی تو یہ ان کی سرچ تھی۔ ڈاکٹر گیان چند اور ڈاکٹر ابو محمد سحر نے اپنے وسائل سے کام لے کر یہ ظاہر کر دیا کہ یہ غزل قطعاً جعلی تھی اور اپریل فول کے سلسلے میں کہی گئی تھی تو یہ ریسرچ ہے۔ مگر اس سے نہ مالک رام اور مولانا عرشی کا پایۂ علمی حقیر ہوتا ہے نہ جناب سحر کے لئے کوئی غیر معمولی کریڈٹ کی بات ہے"۔

غزل کو دیوان غالب میں شامل کرنے کے بارے میں مالک رام صاحب اور مولانا عرشی کے طریقوں کے فرق کی میں اپنے مضمون میں نشاندہی کر چکا ہوں۔ میں نے جو سوال اٹھایا تھا وہ سرچ اور ریسرچ کے فرق کی روشنی میں یہی تھا کہ مالک رام صاحب نے سرچ پر اکتفا کر کے ریسرچ کو دوسروں کے لئے کیوں چھوڑ دیا۔ نثار احمد فاروقی صاحب کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ اس ریسرچ میں میرا بھی کوئی حصہ تھا۔ اس کے دعویدار ہیں، اس کے پیچھے جناب نادم سیتاپوری اور خود مالک رام بت ساہی اول ۱۹۳۷، ۸، ۱۰، ۱۱ کو ریسرچ سے فروری نتائج!

حرمت الاکرام

تعاقب

یہ آواز اسی طرح پیچھا کرے گی
زمیں سے فضا تک، فضا سے خلا تک
ستاروں کی جاگتی داستانیں بکھیرا کرے گی
یہ آواز "تاریخ" کی بے ریا وادیوں سے
نکلتی ہوئی مرحلہ مرحلہ
وقت کا پیچھا کرتی چلی آئی ہے
خندہ ساماں گزرتی چلی آئی ہے
یہ آواز بدخو چٹانوں سے رستے دریچوں کو
اک اجنبی راہرو کی طرح
تھپتھپایا کرے گی
جلو میں لئے صبح کی نکہتوں کے شرر
خواب آلودہ ذہنوں سے کھیلا کرے گی،
چھپائے کلیجے میں ٹھنڈی چتائیں
یہ شکوہ کرے گی
کہ دھرتی کی پھیلی ہوئی گود میں
نیند جادو کی مانند پیوست ہے،
یہ آواز ہر گام پر بے نیازانہ
ادراک کے قافلے کو پکارا کرے گی
کہ صدیوں کی خوابیدگی کی ردا
آدمی اپنے چہرہ سے سرکا سکے
آنکھ کھولے، زباں کام میں لا سکے

صاحب اور مولانا عرشی کا پایۂ علمی حقیر ہوا اور نہ میرے لئے کوئی غیر معمولی کریڈٹ کی بات ہوئی تو پھر شکایت کس بات کی ہے؟ کیا محض اس کی کہ میں نے ماخذ کی جانچ پڑتال پر زور کیوں دیا اور مولوی ابراہیم خلیل مرحوم کے سر سے جعل کا الزام اٹھانے کی کوشش کیوں کی؟

جناب نثار احمد فاروقی نے معاملے کے سارے پہلوؤں پر ہمدردی سے غور کرنے سے لے کر دیوان غالب کی ترتیب میں قرآن و حدیث کی اولین تدوین کے اصولوں اور بزرگوں کے ساری عمر قلم گھسنے اور بال سفید کرنے تک کا واسطہ دے ڈالا۔ اس مختصر مضمون میں نہ تو اتنی گنجائش ہے اور نہ میں اہل نظر سے اتنا مایوس ہوں کہ ان غلط فہمیوں کی تفصیل سے تردید کروں جو اس قسم کی باتوں سے پیدا ہو سکتی ہیں۔ نکتہ چینی اور خردہ گیری کی مثال دیکھنا ہو تو غبار خاطر کا وہ ایڈیشن دیکھئے جو ساہتیہ اکادمی کی طرف سے مولانا ابوالکلام آزاد کی کتابوں کے یادگار ایڈیشن شائع کرنے کے پروگرام میں شائع کیا گیا ہے۔ کیا مولانا ابوالکلام آزاد کی شخصیت قابل احترام نہ تھی یا انھوں نے دھوپ میں بال سفید کئے تھے؟ لیکن یہ خیال صحیح نہ ہوگا۔ مالک رام صاحب نے بلاشبہ یادگار ایڈیشن کے مرتب سے آگے بڑھ کر ایک محقق کے فرائض انجام دئے ہوں گے۔ کسی قلم گھسنے والے کے لئے ساری عمر قلم گھسنے والوں سے زیادہ کوئی اور لائق احترام نہیں ہو سکتا۔ نثار احمد فاروقی صاحب اگر مولانا عرشی یا مالک رام صاحب سے میرے لئے یہ حکم صادر کرا دیں کہ میں غالبیات پر قلم نہ اٹھاؤں تو میں احتراماً اس موضوع سے ہمیشہ کے لئے دستبردار ہونے کو تیار ہوں کیونکہ میرے قلم گھسنے کا مقصد نہ پرانی نسل کو شرمسار کرنا ہے، نہ نئی نسل کو زیر بار احسان کرنا اور نہ لکھا پڑھنا۔

نثار احمد فاروقی صاحب کا مجھ پر بڑا احسان ہے کہ وہ میرے کام کو وقعت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور انھوں نے مجھے دودھ چھوٹنے کے بعد تحقیق شروع کرنے اور ریش بابا کو اپنی بازی گاہ بنانے والوں سے الگ رکھا ہے لیکن نئے لکھنے والوں کے لئے ان کا طرز فکر شخصیت پرستی کی ایک ایسی روش کا غماز ہے جو نامناسب بھی ہے اور نقصان دہ بھی۔ بزرگوں کا احترام لازمی ہے لیکن چھوٹوں کو بھی حقیر نہ سمجھنا چاہئے۔ قدرت کی طرف سے زندگی کی پھر پورا خزانہ لائے ہیں تو دودھ چھوٹنے کے بعد جن لوگوں نے تحقیق شروع کی ہے ایک دن ان کے بال بھی سفید ہو جائیں گے۔ غالبیات میں بہت کام ہو چکا ہے لیکن شاید آئندہ ختم نہ ہوگی اور ریسرچ کی تو ابھی بہت گنجائش معلوم ہوتی۔ پچھلے چلنے کے کشش جب کے شک و شبہ کی وجہ سے اپریل والی بیا ہوئی تھی وہ اس وقت غالبیات اور اردو زبان کے سلسلے میں خاصی بڑی تعداد میں شکایات ہوئیں لیکن ان کی بدولت اردو دنیا

ایک بڑی گمراہی سے بچ گئی، ورنہ دیوان غالب میں اس غزل کے اضافے کے علاوہ اس کے مقطعے کی بنا پر غالب کے سوانح میں بھی بھوپال کے سفر کا اضافہ ہو چکا تھا۔ ایسے تجربوں کے بعد نثار احمد فاروقی صاحب یا کسی ماہر غالبیات کا اپنے اور اپنے احباب کے سوا دوسروں کو علمی کام کرنے یا علم و ادب کے میدان میں داخل ہونے کا حقدار نہ سمجھنا یا قبل از وقت ان کا مذاق اڑانا دانشمندی نہیں ہے۔

غزل کو دیوان غالب میں شائع کرنے کے بعد جو تحقیق کی گئی وہ اس سے پہلے بھی کی جا سکتی تھی۔ تلاش اور احتیاط کا یہ طریقہ نیا نہ ہوتا۔ مجھ کی کے ایک خط کا اقتباس ملاحظہ فرمائیے۔

"لیکن سب سے بڑا مسئلہ ابھی حل نہیں ہوا۔ تکیہ والی غزل پوری لکھ کر بھیجتا ہوں۔ سید ہاشمی نے جو دیوان کا اپنا اڈٹ کیا ہوا نسخہ مجھے دیا ہے اس میں یہ غزل نواب صاحب کے حوالے سے درج ہے۔ اس کی تحقیق نواب صاحب سے مقصود ہے۔ جہاں تک میں مرزا صاحب کے کلام اردو سے واقفیت رکھتا ہوں زمین آسمان ٹل جائیں لیکن یہ ان کا کلام نہیں ہو سکتا۔ اس کی تحقیق سخت ضروری ہے اگر یہ غزل ان غزلوں میں جو بعد میں حاشیہ پر اضافہ کی گئی ہیں موجود ہے تو یہ دیکھنا چاہئے کہ کس شخص کے خط میں لکھی ہوئی ہے۔ آیا وہ خط تحقیق ہوتا ہے یا نہیں۔ دوسرے نواب صاحب کو اس کے بارے میں ذاتی علم کیا ہے؟ تیسرے نواب صاحب کی اس کے بارہ میں رائے کیا ہے۔

طائر دل جو قطعہ ہے وہ بھی مرزا کا نہیں ہو سکتا اس کے بارہ میں بھی نواب صاحب سے جو کچھ مطابق یا مخالف معلوم ہو سکے نوٹ کر لیجئے گا۔" [1]

غالبیات میں اس ذوق تجسس اور احساس ذمہ داری کو ترک کیوں کر دیا گیا؟ اب نثار احمد فاروقی صاحب نے انکشاف کیا ہے کہ "ہمایوں" کا ناک چھپا کرتے ہوئے انھوں نے مالک رام صاحب کو غزل کے ساقط الاعتبار ہونے کی طرف متوجہ بھی کیا تھا۔ ہر اعتبار سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اس طرح کے تحقیقی کام میں جس احتیاط کی ضرورت تھی اس کا بروقت مطلق احساس نہیں کیا گیا۔ جب وقت نکل گیا تو دوسرا ستم یہ کیا گیا کہ اس سہو کا صاف طور پر اعتراف کرنے کے بجائے مولوی ابراہیم خلیل پر جعل اور اس کے اقرار کا الزام لگا دیا گیا، حالانکہ انھوں نے استفسار کرنے والوں کو صحیح کیفیت سے آگاہ کیا تھا۔ میں نے اپنے مضمون میں کسی

---

[1] محاسن کلام غالب عکس مابین ص ۸ و ۹۔

قدر شدید لب ولہجہ اسی لئے اختیار کیا تھا کہ میری صدائے احتجاج زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچ جائے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تک جناب نثار احمد فاروقی نے بھی اس کی طرف پوری توجہ نہیں کی ہے۔ موصوف نے لکھا ہے:۔

"اب اگر ملعون ہی کرنا ہے تو غزل کے اصلی
جعلساز کو کیجئے جس نے دنیائے ادب سے ایسا
خطرناک مذاق کیا۔"

میں کسی کو بھلا کیا ملعون کروں گا۔ مجھ سے بہتر اصحاب ایک بے گناہ انسان کو ملعون کر چکے ہیں۔ دنیائے ادب سے خطرناک مذاق کرنے کی حد تک اگر کسی کی گرفت کی جا سکتی تھی تو وہ جوہر قریشی تھے حالانکہ ان کا مذاق بھی دنیائے ادب کی اپنی بے پروائی کی وجہ سے خطرناک ثابت ہوا۔ وہ غزل کے "اصلی جعل ساز" نہ تھے کیونکہ غزل انھوں نے نہیں کہی تھی۔ ان کا مذاق یہ تھا کہ انھوں نے غزل کے اولین مطبوعہ نوٹ میں حذف و اضافہ کرکے "شاید" دین دو دنیا" کو بھیج دیا (شاید اس لئے کہ یہ میری تحقیق نہیں ہے)۔ ان کے اس مذاق کے "اقرار" کے متعلق نہ پہلے کوئی اطلاع ملی اور نہ اب تک ہے۔ اس لئے جعل اور جعل کے اقرار سے ماہرین غالبیات کا رُخ مولوی ابراہیم خلیل مرحوم ہی کی طرف تھا اور میری بہت کچھ صراحت کے باوجود بعض اصحاب کے نزدیک آج تک ہے۔ اسے اردو تحقیق میں غیر تحقیقی مزاج کی عملداری کے سوا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

میں نے اپنا مضمون "گوہر تعلیم" کے متعلقہ پرچے کا جائزہ لینے کے بعد لکھا تھا۔ یہ پرچہ میرے کہنے پر مولوی ابراہیم خلیل مرحوم کے صاحبزادے جمیل ارشاد صاحب نے مجھے دکھایا تھا۔ ادھر میں نے اسے ان کے چھوٹے بھائی حبیب ارشاد صاحب سے لے کر دوبارہ دیکھا۔ اب مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس پرچے میں یہ غزل جس طرح شائع ہوئی تھی اسے بجنسہ پیش کر دیا جائے تاکہ اگر سرپیچ اور ریسرچ کے فرق کو میں نہیں سمجھ سکا تو ارباب نظر کم سے کم اپریل فول اور جعل میں امتیاز کر لیں۔

شاہجہانی ماڈل ہائی اسکول بھوپال کے اس رسالے کا کور اور آخر کے صفحات تلف ہو چکے ہیں۔ ابتدا سے صرف ۴۲ صفحات موجود ہیں۔ صفحہ ۲ پر "اشتہارات" کے زیر عنوان یہ شعر درج ہے۔

کس قدر گوہر تعلیم تھا دلچسپ خلیل
ایک نمبر ہی پڑھا تھا کہ ہوا سال تمام

اس شعر کے داہنی اور بائیں طرف کے اندراجات کے مطابق اس پرچے کے مدیر محمد سلیمان سلیمان، درجہ دہم اور ریاض الدین، درجہ نہم، معاونین نیاز احمد، درجہ نہم اور کیلاش نرائن، درجہ نہم اور نگراں مولوی ابراہیم خلیل تھے۔ "اشتہارات" کا پہلا جملہ ہے:۔

"جولائی ۱۹۳۷ء کے بعد ہم تھے اور ہمارے فرائض، طلبہ تھے اور ان کے اسباق، مارچ ۱۹۳۸ء تک یہی انہماک رہا۔"

صفحہ ۴ پر جلسۂ تقسیم انعامات منعقدہ ۲۳ دسمبر ۱۹۳۷ء کے موقع پر اسکول کے ہیڈ ماسٹر جناب شیودیال کی تقریر چھپی ہے۔ ان شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ ۳۸-۱۹۳۷ء کے تعلیمی سال کا یہ دوسرا[1] پرچہ تھا اور اپریل ۱۹۳۸ء کا تھا نہ کہ اپریل ۱۹۳۷ء کا۔

صفحہ ۱۲ اور ۱۳ پر "اپریل فول (۱)" کے عنوان سے جناب ضمیر الحسن صدیقی متعلم درجہ دہم" کا ایک مزاحیہ مضمون ہے۔ صفحہ ۱۴ سے صفحہ ۲۸ کے دوسرے کالم کے بالائی حصے تک مولوی ابراہیم خلیل کا ایک مضمون "ادب عصری اور اس کا اثر تاریخ پر" شائع ہوا ہے۔ اس کے بعد پھر "اپریل فول" کے زیر عنوان کسی جلسے کی روداد شروع ہوئی ہے۔ اسی میں صفحہ ۲۹ پر متعلقہ غزل تقریباً پورے صفحے پر چھپی ہے اور صفحہ ۳۰ پر چار سطروں کی مزید عبارت کے نیچے "سلیمان - مدیر" لکھا ہوا ہے۔ غزل کے پہلے دو شعروں کے دوسرے مصرعے کاغذ کے کاٹ دئے جانے کی وجہ سے ناقص ہو گئے ہیں۔ انھیں دوسرے ماخذ سے پورا کرکے گوہر تعلیم کے اس پرچے کا ضروری حصہ (مع کتابت کی غلطیوں کے) درج ذیل ہے:۔

"اپریل فول

مسٹر ضمیر الحسن صدیقی جب اس موقع پر اپنی شوخیوں کی داد دے چکے تو ہم نے بھی اسی سلسلہ میں یاران بزم ادب کو دعوت نامہ بھیج دئے۔ چنانچہ جوہر شناسان عیار زبان نقادان کلام شعرائے ہندوستان یعنی ہمارے ارکان بزم ادب رونق افروز ہوئے۔ بزلہ سنجیاں ہوتی رہیں۔

آج کے پروگرام میں ایک نمبر یہ بھی تھا کہ خدائے سخن نواب میرزا اسد اللہ خاں غالب مرحوم مغفور اسی متبرک غزل پیش کی جائے گی جو اب تک ان کے دیوان یا اس کے کسی ضمیمہ میں شائع نہیں ہوئی ہے۔ یہ غزل ایک فرسودہ بوسیدہ کاغذ پر لکھی ہوئی تھی حرفوں کی (صفحہ ۲۹ ختم ہوا) کشش بارہویں صدی ہجری کے نقش ونگار میں تھی اس ورق کی پیشانی پر لکھا ہوا تھا۔

[1] اس تعلیمی سال کا پہلا پرچہ بھی میری نظر سے گذرا ہے۔ اس کے پہلے صفحے پر مدیر کا نام ضمیر الحسن صدیقی درجہ دہم اور نمبر بابت سہ ماہی اول ۳۸-۱۹۳۷ء جلد ۳" درج ہے۔

نقل مسودہ از قدیم کتب خانہ امیر الامرا میاں نواب یار محمد خاں صاحب بہادر مرحوم و مغفور جاگیردار ریاست بھوپال اور غزل کے اشعار حسب ذیل تھے۔

بھوپال سے کاش وہ ادھر آئیں تو شام ہو
کیا لطف ہو جو ابق دوراں بھی رام ہو
تا گردش فلک سے یونہی صبح شام ہو
ساقی کی چشم مست ہو اور دور جام ہو
بیتاب ہوں بلا سے کن انکھیوں دیکھ لیں
اے خوش نصیب کاش قضا کا پیام ہو
کیا شرم ہے حریم ہے محرم ہے راز دار
میں سر بکف ہوں تیغ ادا بے نیام ہو
میں چھیڑنے کو کاش اسے گھور دوں کہیں
پھر شوخ دیدہ بر سر صد انتقام ہو
وہ دن کہاں کہ حرف تمنا ہو لب شناس
ناکام بد نصیب کبھی شاد کام ہو
گھس پٹ سکے چشم شوق قدم بوس ہی سہی
وہ بزم غیر ہی میں ہوں پر ازدہام ہو
اتنی پیوں کہ حشر میں سرشار ہی اٹھوں
مجھ پر جو چشم ساقی بیت الحرام ہو
پیرانہ سال غالب میکش کرے گا کیا
بھوپال میں مزید جو دو دن قیام ہو

اس غزل کی نسبت میری رائے یہ تھی کہ غالب مرحوم جن دنوں بھوپال تشریف لائے تھے یہ غزل غالباً اس وقت کی لکھی ہوئی ہے۔ (صفحہ ۳۰ سے آگے، ہمارا نمائش میں بیٹھنا) اگرچہ جناب خلیل کی بیاض میں اس کو دیکھا گیا۔ اس نمائش میں یہ تبرک بڑی قدر و عزت سے دیکھا گیا۔ دیکھیں ہمارے معاصر خصوصاً گہوارۂ ادب اس کی کیا قدر فرماتے ہیں۔

سلیمان۔ مدیر"

(صفحہ ۳۰)

؎ یہ الیگزنڈرا جہانگیریہ ہائی اسکول، بھوپال کا رسالہ تھا۔

(صفحہ ۹ سے آگے)

لکھتے ہوئے پایا۔ معاملہ حکام تک پہنچا دیا گیا ہے۔ خبر ملی ہے کہ شمار کار سے کیفیت طلب کرلی گئی ہے۔ (۲) وہ شہر کے محلہ چودھرانہ میں ایک شمار کار نے ایک اردو داں گھرانے کے دو افراد کی سلپ ہی نہیں بھری۔ ایک اور مقام پر ایک شمار کار نے سادہ کاغذ پر یہ اطلاعات درج کر رکھے تھے۔ "الجمعیۃ"

مچھلی شہر میں مردم شماری میں دھاندلیاں

جونپور۔ صدر انجمن ترقی اردو جونپور ڈاکٹر وکیل احمد انصاری نے مچھلی شہر تحصیل کے موضع سرائے بیکا میں مردم شماری کے سلسلے میں ہونے والی دھاندلی پر سخت احتجاج کیا کہ وہاں "تاکید کے باوجود اردو نہیں رکھی گئی۔

جناب کرامت اللہ نے بھی اس سلسلے میں سخت احتجاج کیا ہے کہ بجائے مردم شماری کے خانوں کے اور چھپے ہوئے فارموں کے سادے کاغذ پر شمار کار لکھ رہے ہیں اور بعد میں من مانی خانہ پری کرتے ہیں۔ "قومی آواز"

مراسلات

نو دریافت دیوان غالب کے سلسلے میں

سید مسعود احمد صاحب کا مراسلہ ہماری زبان ۸ / مارچ سنہ ۱۹۷۱ء میں نظر نواز ہوا۔ عرشی صاحب میرے لئے بزرگ اور مختار فاروقی صاحب نہایت محترم ہیں۔ جس سنہ کو ان صاحبوں نے مسترد کر دیا میں اس کی تائید یا توثیق کرنے سے معذور ہوں۔ لیکن سنہ کی یہ بحث تو محض ضمنی تھی۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ مخطوط بخط غالب ہے یا نہیں۔ میرا خیال ہے کہ غالب نے اُس عمر میں جب تک بقول ان کے "تمیز" نہیں آئی تھی اپنا کلام کسی جگہ جمع کیا ہوگا۔ اُسی زمانے کے کسی مسودے پر دونوں بھوپالی نسخے مبنی ہو سکتے ہیں قیاس ہے کہ دونوں کے کاتب نے اپنے اپنے طور پر اس میں جدید کلام کا اضافہ ہی نہیں کیا بلکہ ضروری اصلاح و ترمیم بھی کی۔ مذکورہ بنیادی مسودہ اُس زمانے کا ہوگا جب غالب نے اسیر و شوکت کی اتباع شروع نہ کی تھی۔ میرے نزدیک یہ مسئلہ ہنوز نامعلوم ہے کہ اس نو دریافت دیوان غالب کی کتابت کس سنے کی اور تاوقتیکہ یہ نہ معلوم نہ ہو زمانۂ کتابت کی جستجو میں ۱۲۳۰ھ ۱۲۳۶ھ یا ۱۲۳۲ھ کے امکان پر بحث کرتے رہنا مفید نہیں ہوگا۔

یہ بڑی طمانیت بخش حقیقت ہے کہ اب بعض بزرگوں نے بھی مسئلہ پر آزادانہ غور کرنا شروع کر دیا ہے چنانچہ دو خطوط مجھے موصول ہوئے ہیں ضروری اجزا ان کے متن نقل کرتا ہوں۔

(۱) "یہاں مہر صاحب جیسے بزرگ سے لے کر مجھ جیسے گوشہ نشین کا یہی خیال ہے کہ یہ مخطوطہ بخط غالب ہے۔ یہاں کسی شخص نے اس پر شبہ کا اظہار نہیں کیا البتہ مجھے ایک چیز کھٹکتی ہے وہ یہ کہ صفحہ اول پر لوح کی جو عبارت ہے وہ یقیناً غالب کے قلم سے نہیں ہے۔ یہ الفاظ ہیں۔

یا علی المرتضیٰ علیہ و علی اولاد الصلوٰۃ و السلام۔
یا حسن بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یا حسین۔ ابو المعانی
میرزا عبد القادر بیدل رضی اللہ عنہ۔

میں شیعہ نہیں ہوں لیکن میرا خیال ہے کہ تشیع کے مطابق یہ عبارت غلط ہے۔ دوسری بات یہ کہ لوح کی یہ عبارت صلوٰۃ و سلام اور تسمیہ کا جو عام استعمال ہے اس کے بھی خلاف ہے اور مبہم اور بے معنی بھی۔ یا علی المرتضیٰ کے بعد علیہ کا لفظ کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ علیہ السلام کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور علی کو علیٰ سمجھ لیا جائے تو اولاد کا لفظ بے جا ہے۔ الصلوٰۃ و السلام کا استعمال بھی اس جگہ جب کہ اس کے سابقے میں اولاد اور لاحقے میں یا حسن ہو بے معنی معلوم ہوتا ہے۔ مزید براں اس طرح کی مسلسل عبارت میں یا حسن کے بلا فصل تسمیہ اور اس کے ساتھ یا حسین ابو المعانی میرزا عبد القادر بیدل رضی اللہ عنہ لکھنا، اتنا کی ایسی صورت ہے جو کم از کم غالب جیسے نابغۂ روزگار سے ممکن ہی نہیں۔ ہمارے ناقدین یہ کہتے رہے ہیں کہ غالب عربی سے نابلد تھے لیکن فارسی صرف و نحو اور اردو کے الفاظ کا استعمال ان سے بہتر کون جانتا تھا لہٰذا ایسی تحریر کو غالب سے منسوب کرنا غالب کے ساتھ ظلم ہے۔

دوسری بات یہ کہ عفی اللہ عنہ کے معین معنی یہ نہیں ہیں کہ خدا میرے گناہ معاف فرمائے۔ عام طور پر اس کے معنی یہ لئے جاتے ہیں کہ خدا اس کے گناہ معاف فرمائے (اس پر معافی کی جائے) اسی طرح رضی اللہ عنہ کے معنی ہیں خدا اس سے راضی رہے (خدا اس کو بخش دے) یہ تو کلمات دعا ہیں۔ کوئی خیر خواہ اپنے کسی عزیز محب یا خود اپنی ہی ذات کے لئے طلب دعا اور اظہار عجز کی خاطر استعمال کر سکتا ہے۔ یہ تسلیم ہے کہ عفی اللہ عنہ کے الفاظ جو عام استعمال میں ہیں وہ اسی طرح ہیں کہ محرر خود اپنی ذات کے لئے انھیں استعمال کرتا ہے یہ دلیل اگرچہ کہ وزن نہیں رکھتی لیکن میں نے جس دن اس تحریر کو دیکھا تھا اسی دن ہی کھٹکا تھا کہ دیوان تمام تر بخط غالب ہے اور یقیناً ہے لیکن لوح کی عبارت غالب کے ہاتھ کی نہیں ہے۔ . . . یہ معلوم فرمائیں کہ یہ عبارت اگر شیعہ عقاید کی روشنی میں پرکھی جائے تو درست ہے یا نہیں؟"

(۲) "میرے خیال میں یہ نو دریافت دیوان غالب (یہ) کے قلم سے لکھا گیا ہے جسے غالب نے شاید کبھی استعمال نہیں کیا۔ بیشتر جگہ اس میں خط شفیعا ہے جو غالب کا ذاتی تحریر نہیں تھا۔ نقطے ہیں اس میں بیشتر اس طریقہ سے لکھا ہے جو غالب کی سامنے آئی ہوئی تحریروں میں کہیں نہیں ملتا۔"

یا کچے دخیر

آخر میں پھر ایک بار یہ عرض ہے، جناب مرتضیٰ علی صاحب مسئلہ ہے اور مجھے کسی بھی جز و پر اگر اس کے بعد غالب کی تحریر بکسر سب ڈو تیر ہے۔ اصرار ہر گز نہیں جو کچھ چاہتا ہوں یہ ہے کہ اب آزادانہ اردو داں کی مروم شماری کے خیال سے کسی مخصوص نظریہ کو قبول نہ کریں یا زبان اردو کے بجائے ہندی

(باقی صفحہ ۹ پر)

[illegible]

انجمن کی خبریں

انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش کی تجاویز پر حکومت کا ردِ عمل

حیدر آباد ۔ انجمن ترقی اردو، آندھرا پردیش کے ایک پریس نوٹ میں بتلایا گیا ہے کہ انجمن کے گذشتہ سالانہ اجتماع میں جو بمقام کرنول منعقد ہوا تفصیلی جلسہ اور قرار دادوں کے ایک قرار داد یہ بھی منظور کی گئی تھی کہ "انجمن ترقی اردو کا یہ جلسہ محکمہ ڈاک کے ارباب مجاز سے مطالبہ کرتا ہے کہ ہر ضلع کے مستقر پر جو ریلوے میل سرویس قائم ہے اس میں اردو سے واقف اہلکار کو بھی متعین کیا جائے تاکہ جن خطوط پر اردو میں پتہ لکھا ہوا ہو انھیں جنرل پوسٹ آفس حیدر آباد بھجوانے کے بجائے وہیں پر اس کا ترجمہ ہو سکے اور خطوط کی فوری تقسیم عمل میں لائی جا سکے"۔ اس قرار داد کی ایک کاپی ضروری کارروائی کی غرض سے پوسٹ ماسٹر جنرل آندھرا سرکل، حیدر آباد کو بھیجی گئی تھی جس کا حسب ذیل جواب وصول ہوا ہے جو عوام کی اطلاع کے لئے شائع کیا جا رہا ہے:۔

"علاقہ تلنگانہ کے ہر ڈاک خانے میں ایک یا اس سے زائد اردو جاننے والے عہدے دار موجود ہوتے ہیں جن کی مدد سے اردو میں لکھے ہوئے پتوں کا انگریزی میں ترجمہ کرایا جا سکتا ہے جہاں تک ریاست کے ساحلی علاقوں کا تعلق ہے، اردو پتوں والے خطوط انگریزی میں ترجمہ کے لئے وجئے واڑہ ریلوے میل سرویس کے مرکز کو بھیجے جاتے ہیں نہ کہ صدر ڈاک خانہ حیدر آباد کو جیسا کہ انجمن نے سمجھ رکھا ہے۔ ترجمہ کا ایک مرکز حیدر آباد سارٹنگ آفس میں بھی موجود ہے۔ ہر ضلع کے ریلوے میل سرویس کے ساتھ ترجمہ کا ایک مرکز مہیا کرنا جس کی انجمن نے خواہش کی ہے، قابل عمل نہیں ہے۔"

سرینواس لاہوٹی

انجمن ترقی اردو سنگاریڈی کی یادداشت

(انجمن ترقی اردو سنگاریڈی کی طرف سے وزیر اعلیٰ یو۔ پی کو ایک یادداشت پیش کی گئی ہے جس کے ضروری اقتباسات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔ (ادارہ)

ا۔ یہ کہ ... دیش میں تلگو بولنے والوں کے بعد سب سے زیادہ اردو کی ادبی اور ... ول کی تعداد ہے اور اردو ہندوستان ... یہ تفصیل اور ... دعوا باقی ہے۔ حصول آزادی کی جدوجہد ... ات انجام دی ہیں اور آزادی کے ... کو ... جو میں یہ زبان اہم کردار ادا کر رہی ہے۔ اس لئے اس موقع پر بطور یاد دہانی عرض ہے کہ آندھرا پردیش کے کئی وزرائے اعلیٰ نے اردو کو دوسری علاقائی زبان بنانے کا تیقن دیا تھا لیکن یہ تیقن ابھی تک حقیقت میں تبدیل نہ ہو سکا۔

ب۔ یہ کہ انجمن ترقی اردو شاخ سنگاریڈی حکومت سے اپیل کرتی ہے کہ وہ اپنی روایاتی فراخدلی سے کام لیتے ہوئے اردو کو دوسری علاقائی زبان کا درجہ عطا فرمائے تاکہ اردو داں طبقہ کی سراسیمگی دور ہو۔

ج۔ یہ بات باعث طمانیت ہے کہ حکومت نے انٹرمیڈیٹ تک تلگو کے ساتھ ساتھ اردو کو بھی بطور ذریعہ تعلیم جاری رکھنے کی منظوری عطا فرمائی لیکن جاری ہونے والی تعلیمی تبدیلیوں سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ آئندہ سال سے حکومت بی۔ اے اور پھر ایم۔ اے تک تلگو کو ذریعہ تعلیم بنانے کا منصوبہ رکھتی ہے اس لئے انجمن ہذا حکومت سے مستدعی ہے کہ اردو کو بھی بی۔ اے اور ایم۔ اے تک ذریعہ تعلیم کی منظوری عطا فرمائی جائے اور اس خصوص میں تلگو کتب کی تیاری و فراہمی کے ساتھ ساتھ اردو نصابی کتب بھی طبع فرمائی جائیں۔ مزید یہ کہ جس طرح اردو داں طلبہ کے لئے جماعت چہارم سے تلگو بطور زبان دوم کے پڑھائی جاتی ہے اسی طرح ابتدائی مدارس سے اعلیٰ تعلیم تک بھی مدارس میں اخلاقیات کو شریک نصاب کیا جائے تاکہ طلبہ میں نظم و ضبط کی خرابی کا موثر انسداد ہو سکے۔

د۔ حکومت آندھرا پردیش کے محکمہ نظم و نسق عامہ نے دیس۔ آر۔ اے) جی۔ او۔ ایم۔ یس نشان ۱۳۴۴ مورخہ ۱۲ ر نومبر ۱۹۶۶ء کے ذریعہ لسانی تحفظات عطا فرمائے لیکن دفاتر تحت میں کما حقہ تعمیل نہیں ہو رہی ہے جس کی وجہ سے عوام کو دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ بنا بر ایں حکومت سے درخواست کی جاتی ہے کہ اس کی عمل آوری کے لئے عاجلانہ اقدام فرمایا جائے۔

ہی - یہ ہے کہ انجمن ترقی اردو شاخ سنگا ریڈی نے مرحوم صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب ہال و لائبریری کے قیام کے لئے کلکٹر اور متعلقہ عہدہ داران ضلع سے عطائے آراضی کے لئے درخواست کی تھی۔ اور اسی سلسلہ میں سرکاری آراضی سروے نمبر (۴۲۷) کی نشاندہی کی تھی لیکن دو سال کا عرصہ گذرنے کے بعد بھی کارروائی حصول آراضی نامکمل ہے۔ لہٰذا اراضی مذکورہ بالا انجمن کے نام حکومت کی جانب سے عطا فرمائی جائے۔

س - یہ کہ مستقر ضلع پر کافی ملازمین سرکار موجود ہیں لیکن مستقر ہذا پر کوئی ڈگری کالج نہیں ہے جس کی وجہ سے ملازمین اور غریب معاش طبقہ کے طلبہ (بچوں) کو قابلیت بڑھانے کا موقع نہیں ہے حکومت سے درخواست کی جاتی ہے کہ مستقر ضلع ہذا پر ایک ایوننگ ڈگری کالج قائم فرمایا جائے۔

• محمد حسین خان معتمد

انجمن ترقی اردو شاخ ادونی کے مطالبات

ادونی :۔ انجمن ترقی اردو شاخ ادونی کا ایک جلسہ جناب خطیب محمد مصلح الدین صاحب کی صدارت میں ہوا۔ اس جلسہ میں جناب سرینواس لاہوٹی (نائب معتمد انجمن ترقی اردو حیدر آباد) بطور مہمان خصوصی شریک تھے آپ نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ باوجود سازشوں کے اردو زندہ ہے اور یہی زندہ زبان کی پہچان ہے آخر میں آپ نے کہا کہ اردو والوں میں بیداری کے جذبہ کی ضرورت ہے۔

جناب تریپاٹھی صاحب (صدر مدرس) نے زبان اردو اور انجمن ترقی اردو کو اپنا منظوم خراج عقیدت پیش کیا۔ آخر میں بہ اتفاق آرائے حسب ذیل دو قرار دادیں منظور کی گئیں۔

(۱) انجمن ترقی اردو ادونی کے کارکنوں اور ہمدردوں کا یہ جلسہ حکومت آندھرا پردیش کے محکمہ تعلیمات سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ ادونی میں اردو ذریعۂ تعلیم کا جونیر کالج قائم کرے تاکہ اردو ذریعۂ تعلیم سے میٹرک کامیاب کرنے والے طلبہ کو جامعاتی تعلیم کے حاصل کرنے میں مدد مل سکے۔

(۲) انجمن ترقی اردو ادونی کے کارکنوں اور ہمدردوں کا یہ جلسہ سدرن ریلوے اور ساؤتھ سنٹرل ریلوے کے ارباب مجاز سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اپنے زون کے ریلوے اسٹیشنوں کے بورڈ پر دوسری زبانوں کے ساتھ ساتھ اردو کو بھی جگہ دیں تاکہ اردو داں مسافرین کو تکلیف نہ ہو۔

• محمود چودھری

جناب ایم عرفان صاحب کا استعفیٰ

اردو دوستوں کو یہ معلوم ہو کر افسوس ہوگا کہ اردو کے ایک سرگرم کارکن، ادیب اور مزاح نگار جناب ایم عرفان صاحب نے انجمن ترقی اردو مدھیہ پردیش بھوپال کی شہری شاخ کی صدارت سے خرابی صحت کی بنا پر استعفیٰ دیدیا ہے۔ خدا موصوف کو جلد صحت مند کر دے تاکہ وہ اردو کی مزید خدمات انجام دے سکیں۔

• ماہر نگار

پنجابی کو بھی اردو کے برابر درجہ

دلی میں پنجابی زبان کو کونسا درجہ دیا جائے، اس کا فیصلہ کرنے کے لئے لیفٹیننٹ گورنر کی طرف سے ۹ ممبران پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی گئی تھی جس نے کل اپنی آخری میٹنگ میں فیصلہ کر کے سفارش کی ہے کہ دلی میں پنجابی کو بھی وہی درجہ اور وہی سہولیات دی جائیں جو اردو زبان کو دی ہوئی ہیں میٹنگ میں یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ اس پوزیشن پر نظر ثانی دلی کی مردم شماری رپورٹ کے بعد کی جائے گی۔ کیونکہ ۱۹۷۱ کی مردم شماری کے وقت دلی میں اردو بولنے والوں کی تعداد ۷۶ء۵ فیصد اور پنجابی بولنے والوں کی ۱۹ء۱۱ فیصد تھی۔

• الجمعیۃ

آندھرا یونیورسٹی کی طرف سے انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش کو جواب

حیدر آباد :۔ انجمن ترقی اردو، آندھرا پردیش کے ایک پریس نوٹ میں بتلایا گیا ہے کہ انجمن کے سالانہ اجتماع منعقدہ کرنول میں ایک قرارداد منظور کی گئی تھی کہ آندھرا پردیش کی جامعات میں یونیورسٹی کی سطح پر تلگو میڈیم کے ساتھ ساتھ اردو میڈیم کی جماعتوں کا بھی آغاز کیا جائے تاکہ جونیر کالجوں کے جو طلبہ اردو میڈیم سے انٹرمیڈیٹ کا امتحان کامیاب کریں وہ اسی میڈیم میں اپنا تعلیم یونیورسٹی کی سطح پر بھی جاری رکھ سکیں۔ نیز ریاستی حکومت اور ارباب جامعات سے یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ وہ اس بارے میں جلد ایک اعلان نافذ کریں تاکہ ان طلبہ کو اپنی آئندہ تعلیم کے متعلق کسی تذبذب یا غیر یقینی حالت کا شکار نہ ہونا پڑے۔

اس قرارداد کی نقلیں ریاستی حکومت کے علاوہ تینوں جامعات کے وائس چانسلروں کو بھی بھیجی گئی تھیں۔ آندھرا یونیورسٹی کی طرف سے جواب وصول ہوا ہے اور اس میں یہ اطلاع انجمن کو دی گئی ہے کہ اس قرارداد کو ریاست کے تینوں وائس چانسلروں کی آئندہ کانفرنس میں پیش کر دیا جائے گا۔

• سرینواس لاہوٹی

شمار کاروں کا متعصبانہ رویہ

آگرہ :۔ شاہ آباد ضلع مردم شماری کمیٹی کے دفتر میں موصول ہونے والی اطلاع کے مطابق کمبرپی جناب مرتضیٰ علی صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو و ممبر شاخ نیز کنوینر کمبرسب ڈویژن مردم شماری کمیٹی نے ایک شمار کار کو ایک اردو داں کی مردم شماری کے سلپ کے خانہ نمبر ۱۴ میں مادری زبان اردو کے بجائے ہندی

(بقایا صفحہ ۲ پر)

اخبار و افکار

انجمن اردوئے معلیٰ کا جلسہ

انجمن اردوئے معلیٰ کی جانب سے فیکلٹی آف آرٹس لاؤنج میں پانچ بجے ایک جلسہ ہوا جس کی صدارت جناب پروفیسر آل احمد سرور نے فرمائی۔ سب سے پہلے احتشام اختر نے اپنا افسانہ "بڑے شہر کا آدھا آدمی" پڑھ کر سنایا۔ افسانہ میں شہری زندگی اور اس کی ظاہر داری اور مصنوعی اخلاق کی طرف واضح نقوش کے ذریعہ اشارہ کیا گیا تھا۔ اس کے بعد م۔ ندیم نے اپنا افسانہ "تیسری جنگ کا آخری سپاہی" پیش کیا افسانہ دلچسپ تھا۔ ایک فرد کی زندگی کو اس انداز میں پیش کیا تھا جس نے زندگی کے ہر معرکے کو بڑی فاتحانہ شان کے ساتھ سر کیا اور تمام دل شکن حالات کے باوجود اپنی جرأت مندی سے مایوس نہ ہوا۔

آخر میں ذوق کربی نے اپنا مقالہ "سرسید اور ان کے سیاسی افکار" پڑھ کر سنایا۔ اس میں انھوں نے سرسید احمد خاں کی سیاسی زندگی اور افکار و مسائل کا معروضی انداز میں جائزہ لیا اور یہ واضح کیا کہ سرسید نے اپنی سیاسی بصیرت کو بروئے کار لا کر کس طرح مسلم قوم کو انحطاط زدہ ذہنیت اور قدامت کی فضا سے نکال کر جدید شاہراہ ترقی پر گامزن کیا۔ آخر میں سرور صاحب نے سرسید کی زندگی کے چند گوشوں پر مزید روشنی ڈالی اور بتایا کہ سرسید کی سیاست ان کے مشن سے کوئی الگ چیز نہ تھی بلکہ اس کا تعلق ان کی فکر کے ہر گوشے سے تھا انھوں نے اسی بصیرت سے فائدہ اٹھا کر مسلم قوم کی آڑے وقت میں مدد کی اور اسے ایک جدید ذہن سے آشنا کرنے کا فریضہ انجام دیا۔

٭ قاضی عبیدالرحمٰن ہاشمی سکریٹری

شاعروں اور ادیبوں کو خراج تحسین

گورکھپور: نئے زاویے کی ایک نشست زیر صدارت سالم گورکھپوری منعقد ہوئی ادارہ کے سکریٹری ایم۔ کوٹھیاوی راہی نے کہا کہ لوک سبھا کے حالیہ الکشن میں اردو کے ترقی پسند شاعروں، ادیبوں اور دانشوروں نے جس طرح اپنے فرائض کی انجام دہی کی ہے اس سے ملک کو کافی فائدہ پہنچا ہے اندرا گاندھی کی ترقی پسندانہ پالیسیوں کو عوام تک پہنچانے میں اور ملک کے اس انقلابی موڑ پر اردو کے فنکاروں نے جو اہم رول ادا کیا ہے وہ اہم اور تحسین ہے۔ اور چند دیگر حضرات نے الیکشن کے سلسلے میں اردو شعرا و ادیبوں کی ان کوششوں کو سراہا جو انھوں نے اپنے فن کے ذریعہ

سمت کی طرف عوام کی رہنمائی ہی کی۔   ٭ ہیش اشک نشر و اشاعت

اردو رائٹرس سرکل کی ادبی نشست

رائٹرس سرکل پٹنہ کی ایک اہم ادبی و شعری نشست جناب پروفیسر کلیم الدین احمد کے بنگلے پر زیر صدارت عالی جناب دیوکانت بروا صاحب گورنر بہار منعقد ہوئی اس نشست میں بہت سے ممتاز اور نامور شعرائے کرام نے سامعین کو اپنے کلام سے نوازا جلسہ کے اختتام پر گورنر بہار شری دیوکانت بروا نے اردو کے بارے میں کہا کہ یہ ایک لشکری زبان ہے اسی لئے اردو والوں کو ذرہ برابر بھی خوف اور ڈر سے کام نہ لے کر ہوش مندی سے جرأت مندانہ قدم اٹھانا چاہیے یہ زبان اپنی رعنائی کلام اور حسن و اسلوب کی وجہ سے ہمیشہ زندہ رہے گی۔۔   ٭ اقبال رضا

اردو رائٹرس ایسوسی ایشن کی ادبی نشست

اردو رائٹرس ایسوسی ایشن کلکتہ کی ماہانہ ادبی نشست زیر صدارت پروفیسر شاہ مقبول احمد صدر شعبہ مولانا آزاد کالج کلکتہ منعقد ہوئی موصوف نے صدارتی تقریر میں اردو رائٹرس ایسوسی ایشن کی ادبی خدمات کو سراہتے ہوئے کہا کہ ادبی نشستوں کا اہتمام کرکے اردو رائٹرس نے اردو ادب کی بے پایاں خدمات انجام دی ہیں۔ اس طرح نئے اذہان کو نہ صرف بالیدگی ملے گی بلکہ صاف ستھرے ادب کی تخلیق بھی ہوگی۔

پروفیسر جاوید نہال نے افسانہ 'میز' پڑھا پروفیسر اعزاز افضل، علقمہ شبلی، پروفیسر نصر غزالی، کمال جعفری اور نعیم اشفاق نے اپنی نثری و شعری تخلیقات کو پڑھ کر سنایا۔ ڈاکٹر عطا کریم برقی، ڈاکٹر ظفر اوگانوی، پروفیسر محمد امین، ایم۔ اے۔ نصر، محمد سیف اللہ ایم۔ اے، شمس الزماں صاحبان نے تنقیدی بحث میں حصہ لیا اور بہت سی کارآمد باتیں بتائیں۔

ایم۔ اے۔ نصر جنرل سکریٹری

اردو مادری زبان نہ لکھے جانے کی شکایت

لکھنؤ۔ یو۔پی کونسل کے ۴ ممبروں مسز محسنہ قدوائی، جناب چھیدی لال ساتھی، جناب آغا زیدی اور جناب شاکر علی صدیقی نے مردم شماری کمشنر نئی دہلی اور مردم شماری ڈائرکٹر یو۔پی سے بذریعہ تار شکایت کی ہے کہ یو۔پی کے متعدد اضلاع میں شمار کار بہت سی بے ضابطگیوں کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

ان تاروں میں الزام لگایا گیا ہے کہ یہ شمار کار مردم شماری کمیشن کی ہدایتوں کی خلاف ورزی کر رہے ہیں اور متعلقہ افراد کی بار بار درخواستوں کے باوجود مادری زبان کے خانہ میں اردو نہیں لکھ رہے ہیں۔

تار بھیجنے والوں نے عوام سے درخواست کی ہے کہ وہ مردم شماری کارڈ خود دیکھیں اور شمار کار پر یہ زور دیں کہ وہ کارڈ پر ان کی مادری زبان صحیح صحیح درج کریں۔

اسی اثنا میں یو۔پی کونسل کے چیرمین جناب ورندر سروپ نے مسز محسنہ قدوائی اور دوسرے ممبروں کی اس موضوع پر توجہ دلانے والی تحریک کو اس بنا پر مسترد کر دیا کہ اس مسئلہ کا تعلق مرکزی حکومت اور مردم شماری کمیشن سے ہے۔

مسز قدوائی، جناب ساتھی اور جناب زیدی (سب کانگرس) نے ایوان کو بتایا کہ اعظم گڑھ، لکھنؤ، سلطان پور، جون پور، گورکھپور اور دوسرے ضلعوں میں شمار کار مادری زبان درج کرنے میں دانستہ طور سے ضوابط سے انحراف کر رہے ہیں۔

انھوں نے کہا کہ چونکہ شمار کار ضلع کے ذمہ داران کے عملہ سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے ریاستی حکومت ان بے ضابطگیوں کو روک سکتی ہے۔ اس پر چیرمین نے کہا کہ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

• قومی آواز

باقی صفحہ ۸ سے آگے

اسلوب صاحب نے اس مضمون میں غالب کے فن کے اجتہادی پہلوؤں کا مطالعہ کرنے کی کوشش کی ہے بالخصوص غالب کی اردو غزل میں استعارہ، علامت اور پیکر کا جو تخلیقی استعمال ملتا ہے اور جن کی مدد سے غالب کے فن میں گہرائی و گیرائی پیدا ہوئی اس کے تجزیے میں انھوں نے ہر جگہ نکتہ رسی کا ثبوت دیا ہے اس باب میں مغربی ادب کے مطالعے سے انھوں نے مثبت اثر قبول کیا ہے۔ ایک مختصر سا اقتباس دیکھئے:۔

" غالب چونکہ طبعاً رومانی مزاج رکھتے ہیں اور محیط حقیقت کے سلسلے میں ان کے اندر ایک بے چینی تجسس اور گہری فکر کا جذبہ پایا جاتا ہے اس لئے یہ امر چنداں حیرت انگیز نہیں کہ آنکھ کا شعری پیکر جسے میرے نزدیک ان کی شاعری میں ایک (MOTIF) کی حیثیت حاصل ہے جبیں جگہ جگہ ملتا ہے فہم کے محول (MEDIUM) کی حیثیت سے آنکھ کو انگریزی شاعر ولیم بلیک کے اساطیری شاعرانہ نظام میں ایک امتیازی جگہ حاصل ہے۔ ٹی۔ ایس۔ ایلیٹ کی مشہور نظم THE HOLLOW MEN) میں آنکھیں ایک ایسے اشارے کا حکم رکھتی ہیں جن کے ذریعہ نظم کے مرکزی خیالات کو ایک وحدت میں ڈھال دیا گیا ہے۔ غالب کے لئے آنکھ وجدان کا وسیلہ ہے۔ اسی کے ذریعہ حیات و کائنات کے مظاہر کی گوناگونی اور کثیر العناصری میں وحدت کا تعین بھی کیا جا سکتا ہے اور اسی کی مدد سے انضباط (INTEGRATION) کا وہ مرحلہ بھی سر ہوتا ہے جو شاعر کا ایک برگزیدہ فرض ہے۔ آنکھ کا بصیرت سے گہرا علاقہ ہے اور اسی کے ذریعے باطن کے سارے اسرار شاعر کے دل پر منکشف ہوتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غالب آنکھ اور اس کے متعلقات سے مستقل سروکار رکھتے ہیں"

" غالب اور اقبال " کے عنوان سے جو مقالہ ہے اس میں غالب اور اقبال کی فکری مماثلتوں کا بڑی دیدہ ریزی کے ساتھ مطالعہ کیا گیا ہے البتہ آخر میں جو محاکمہ کیا گیا ہے اس سے اختلاف کی گنجائش نکل سکتی ہے " غالب کی فارسی غزل " اور " ابر گہر بار " پر جو مقالے ہیں ان میں بھی تجزیاتی اور تقابلی تنقید کے حربوں سے غالب کے فن کی قدر و قیمت متعین کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ میرا خیال ہے کہ غالب کی فارسی شاعری کے ساتھ اسلوب صاحب نے پورا پورا انصاف کرنے کی کوشش کی ہے، آخری مضمون " خطوط غالب میں نقش کی پرچھائیاں " ہے یہ مضمون نثر نگار غالب کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔

پروفیسر اسلوب احمد انصاری کے یہ مقالات غالب پر تنقید و تجزیے کی ایک خوشگوار مثال کی حیثیت رکھتے ہیں اور ہر قسم کی افراط و تفریط سے پاک ہیں۔ یہ کتاب غالب صدی کے سلسلے کا ایک بیش قیمت تحفہ ہے۔

▲

خلیل الرحمٰن اعظمی

میرا صفحہ

ادھر کچھ دنوں سے بعض ادبی حلقوں میں یہ مسئلہ زیر بحث ہے کہ غالب صدی کے سلسلے میں غالب پر جو کچھ لکھا گیا ہے وہ کس حد تک اطمینان بخش ہے؟ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ غالب کے کلام پر اب تک جو تنقیدیں لکھی گئی ہیں انھیں دیکھ کر غالب ہی کا مصرع یاد آتا ہے۔

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا ۔ یہ بے اطمینانی ایک اعتبار سے صحت مند ہے کیونکہ غالب کے فن پر جدید تنقیدی اصولوں کی روشنی میں ایک بھرپور اور جامع کتاب لکھنے کی ضرورت اب بھی باقی ہے مگر یہ خیال درست نہیں معلوم ہوتا کہ غالب پر جو تنقیدی یا تجزیاتی تحریریں اس دوران میں سامنے آئی ہیں ان سے غالب شناسی کا کام آگے نہیں بڑھا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ غالب کی شاعری سے متعلق آئے دن رسالوں میں جو مضامین شائع ہوتے ہیں ان میں تکرار ملتی ہے اور پرانے تنقیدی خیالات کو ہی الٹ پلٹ کر طرح طرح سے بیان کیا جا رہا ہے مگر یہ حقیقت بھی اپنی جگہ پر ہے کہ اچھی خاصی تعداد میں لکھنے والے ایسے بھی ہیں جن کی تحریریں غالب سے متعلق ایک نیا زاویۂ نگاہ پیش کرتی ہیں اور ان مضامین یا مقالات کی مدد سے غالب کے فن کے ان پردوں کو اٹھانے کی کوشش کی گئی ہے جن کے اٹھانے سے اب تک ہماری پرانی تنقید قاصر رہی ہے۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی پروفیسر محمد مجیب، پروفیسر آل احمد سرور، ڈاکٹر مسعود حسین خاں، ڈاکٹر عالم خوندمیری، شمس الرحمٰن فاروقی، ڈاکٹر وزیر آغا، جیلانی کامران، ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر شکیل الرحمٰن، ڈاکٹر حامدی کاشمیری، محمود ہاشمی، ڈاکٹر وحید اختر، ڈاکٹر مغنی تبسم اور دوسرے متعدد لکھنے والوں نے جدید فلسفہ، نفسیات، لسانیات، صوتیات اور جمالیات کی روشنی میں غالب کو جس طرح سمجھنے سمجھانے کی کوشش کی ہے اسے نظر انداز کرنا درست نہ ہوگا۔

پروفیسر اسلوب احمد انصاری کی کتاب "نقش غالب" جو حال ہی میں غالب اکیڈمی دہلی کی طرف سے شائع ہوئی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ یوں تو کتاب اسلوب صاحب کے ان چھ مضامین کا مجموعہ ہے جو غالب کے فن کے مختلف پہلوؤں سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ غالب کے فن پر مربوط یا باضابطہ تصنیف کی حیثیت نہیں رکھتی مگر ان مضامین میں مصنف نے غالب کے فن کی گہرائیوں تک پہنچنے کی جس طرح سعی کی ہے وہ یقیناً تفہیم غالب کے سلسلے میں ایک اضافے کی حیثیت رکھتی ہے۔

اسلوب احمد انصاری انگریزی ادب کے استاد ہیں اور انگریزی میں ولیم بلیک پر ان کی تنقیدی کتاب انگلستان کے ادبی حلقوں میں بھی معتبر سمجھی جاتی ہے مگر اردو اور فارسی ادب کے بھی وہ مزاج شناس ہیں۔ غالب کے فن پر لکھتے ہوئے انھوں نے جدید مغربی تنقید سے پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے مگر مغربی تنقید کے اصول ان کے یہاں نادان کے ہاتھ کی تلوار کہیں نہیں بنے ہیں۔ اس نے ان کی تنقیدی رایوں میں ہمیں اعتدال و توازن اور ایک ایسی حکیمانہ بصیرت ملتی ہے جو اس نوع کے نقادوں میں ابھی عام نہیں ہوئی ہے۔

بجنوری اور ان کی تقلید میں بعض دوسرے لکھنے والوں نے غالب کے فلسفی ہونے پر بہت زور دیا ہے اور اسی کو غالب کی شاعری کا نشان امتیاز قرار دیا ہے۔ اسلوب صاحب کا خیال ہے کہ "غالب کے یہاں فلسفیانہ نظام نہیں فلسفیانہ افتاد فکر اور انداز بیان ملتا ہے۔" اپنے مضمون "کلام غالب کا ایک رخ" میں غالب کے افکار کا جائزہ لیتے ہوئے انھوں نے اس بات پر زور دیا ہے کہ غالب کے یہاں جو فکر ملتی ہے وہ ایک طور پر رجائی ہے اور اس پر "انھیں فلسفیانہ نظریوں کا شعور اور عکس ملتا ہے جو انھوں نے بو علی سینا، طوسی، غزالی، عراقی، جامی اور رومی سے ذہنی ورثے کے طور پر پائے تھے۔" غالب کی عظمت ان نظریات میں نہیں ہے بلکہ اس لئے کہ "ان نظریات کے باوجود ان کی فکر میں ذاتی انحشاف کی تازگی موجود ہے۔"

اس کتاب کا دوسرا مقالہ "غالب کا فن" ہے۔ مصنف کے خیال میں۔

"فن اور فکر کو ایک دوسرے سے علیحدہ کر کے جانچنے کا نظریہ بہت ہنگامہ یا نہ ہے۔ کیونکہ یہ ایک دوسرے میں پیوست ہوتے ہیں اور ایک غیر منقسم اکائی کو جنم دیتے ہیں۔ ادب اور شاعری میں مجرد فکر کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی . . . . جو لوگ سمجھتے ہیں کہ فنی وسائل غیر اہم یا ثانوی درجہ رکھتے ہیں وہ ایک قسم کے مغالطۂ ذہنی کا شکار ہیں اور ادب کی منفرد حیثیت اور اس کے وظیفۂ خاص سے ناواقفیت کا ثبوت بہم پہنچاتے ہیں۔"

باقی صفحہ ۱۱ پر

مالک انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ پرنٹر و پبلشر سید تفضل حسین ایم۔اے نے لیتھو کلر پرنٹرس علی گڑھ میں چھپا یا اور دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا
REGD. NO. L. 922   فون نمبر ۲۹   R. NO. 2186/57